کے منصب پر بھی فائز رہے۔ انہوں نے دہلی میں فقہ اکیڈیمی قائم کر کے جدید مسائل پر علمی اور تحقیقی کام کا آغاز کیا اور ممتاز فقہا کے ساتھ مختلف شعبوں کے ماہرین کی مشترکہ مشاورت وتحقیق کا اہتمام کر کے جدید اور اجتہاد طلب مسائل پر علمی آرا اور فیصلوں کا قابل قدر ذخیرہ ''جدید فقہی مباحث'' کے عنوان سے کئی جلدوں میں پیش کیا جو ان کا عظیم علمی کارنامہ ہے۔ وہ جدہ کی ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کے رکن تھے اور انہیں بھارت میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات کے بعد آل پارٹیز مسلم پرسنل لا بورڈ کا سربراہ منتخب کیا گیا تھا۔

☆ افغانستان کے بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد نبی محمدیؒ گزشتہ روز پشاور میں ۸۲ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا تعلق صوبہ لوگر سے تھا اور وہ ظاہر شاہ کے دور میں افغان پارلیمنٹ کے رکن تھے۔ انہوں نے افغانستان میں روسی تسلط کے خلاف جدوجہد کو منظم کرنے میں سرگرم کردار ادا کیا اور ''حرکت انقلاب اسلامی'' قائم کر کے روسی استعمار سے آزادی کی جدوجہد کی قیادت کی۔ وہ طالبان حکومت کے سرپرستوں اور پشت پناہوں میں سے تھے اور افغانستان کے بزرگ، مدبر اور معاملہ فہم علماء کرام میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

ان دونوں بزرگوں کی وفات اس خطے کے علماء کرام اور دینی حلقوں کے لیے بہت بڑے صدمے کی بات ہے اور قحط الرجال کے اس دور میں بلاشبہ ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان بزرگوں کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کریں اور ان کے متوسلین کو ان کی علمی ودینی خدمات کا سلسلہ تادیر جاری رکھنے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین

(رئیس التحریر)

جی ہاں! پاکستان کو آئیڈیل ازم کی ضرورت ہے

جنرل پرویز مشرف آج کل جہاں اپنی حکومت کے ''انقلابی اقدامات'' کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں، وہاں یہ بھی فرما رہے ہیں کہ مثالیت (Idealism) کے بجائے عملیت اور نتائجیت (Pragmatism) کو قومی شعار بنانا چاہیے۔ جنرل صاحب مجوزہ آئینی ترامیم اور ریفرنڈم کے سیاق وسباق میں قوم کو یہی ''درس'' دے رہے ہیں۔

اگر ہم ذرا گہری نظر سے معروضی واقعیت کا جائزہ لیں تو دنیا میں اس وقت موجود قومی وعالمی تشتت وانتشار، بے حسی اور خودغرضی کے اسباب مثالیت پسندی کے زوال میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر شعبہ تعلیم سے وابستہ افراد اگر مثالیت پسندی کا مظاہرہ کریں تو انہیں مادی مفادات سے بالاتر ہو کر (یعنی ٹیوشن وغیرہ سے بچتے ہوئے) محنت ودیانت داری کے ساتھ طلبا کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ ایک وقت تھا جب اس شعبے کے

افراد کی اکثریت مثالیت کو اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے تھی اس لیے معاشرے میں کرپشن کا گراف بھی اتنا بلند نہیں تھا۔ لیکن شعبہ تعلیم میں نتائجیت پسندی کے راہ پانے سے مثالیت کو چپ سادھنی پڑی ہے۔ مثالیت پسند گوشہ نشین ہو چکے ہیں اور احباب کی نظروں میں ''احمق'' گردانے جاتے ہیں جبکہ نتائجیت پسند ''عاقل'' اپنے معیار زندگی کو بلند سے بلند تر کرتے ہوئے زمانے کے شانہ بشانہ چل رہے ہیں۔

نتائجیت پسندی زندگی کے ہر شعبے میں ''شارٹ کٹ اپروچ'' کو فروغ دیتی ہے۔ شعبہ تعلیم میں اسی اپروچ کے مطابق Selected study کرائی جاتی ہے جس سے طلبا کو معلومات (Information) کا طومار تو مل جاتا ہے لیکن شعور (Awareness) ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔ اس اپروچ کے سنگین نتائج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح بیوروکریسی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں مثالیت کے زوال اور نتائجیت کے در آنے سے معاشرہ جس ٹوٹ پھوٹ اور بے حسی کا شکار ہے، قلم اسے بیان کرنے سے قاصر ہے۔

۱۲/ اکتوبر کو اقتدار کی مسند پر قابض ہونے کے بعد جنرل پرویز مشرف نے سات نکاتی ایجنڈا پیش کیا تھا۔ ان نکات میں سے ایک نکتہ قومی اداروں کو سیاسی اثرات اور رجحانات سے پاک کرنا (Depoliticizing State Institutions) تھا۔ جب جنرل صاحب یہ نکتہ بیان فرما رہے تھے تو ساتھ ہی عملاً اس کی نفی بھی کر رہے تھے۔ ایک جمہوریہ میں فوجی جرنیل کا اقتدار سنبھالنا چہ معنی دارد؟ ریفرنڈم کے سلسلے میں حالیہ جلسوں میں وردی پہن کر سیاسی انداز میں ''عوامی'' تقاریر سے یہ تضاد اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ جلسوں میں سرکاری ملازمین کی جبری حاضری سرکاری اداروں کی Politicization کو ہی منعکس کرتی ہے۔ یہ تلخ حقیقت اپنی جگہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مسلح افواج نے ملکی سلامتی اور قومی مفاد کے نام پر مملکت کے دستور کو ''یرغمال'' بنایا ہوا ہے۔ جناب صدر کو واضح کرنا چاہیے کہ ان کی دانش کے مطابق Depoliticization کے حدود اربعہ کیا ہیں اور State Institutions کس بلا کا نام ہے؟ پاکستان کے عوام یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا آرمی ایک پرائیویٹ ادارہ ہے؟ ہماری قومی تاریخ گواہ ہے کہ آرمی کے ڈسپلن کو ہمیشہ ہائی جیک کر کے اسے پرائیویٹ ادارہ ہی ثابت کیا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ مقتدر گروہ کی نتائجیت پسندی نے Depoliticization کے معقول اور مثالی نکتے کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیا۔

صدر محترم کے فرمان کے مطابق اگر ہم نتائجی نقطۂ نظر سے بھی معروضی واقعیت کا جائزہ لیں تو یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کسی بھی قسم کی ''اصلاحات'' اگر نظام کے بجائے شخصی بنیادوں پر استوار کی جائیں تو وہ دیرپا ثابت نہیں ہوتیں اور ان کے اثرات بھی خواہشات کے مطابق مرتب نہیں ہوتے۔ ویسے بھی قوم کو اصلاحات کے انبار کے بجائے کمٹ منٹ اور قوت ارادی کی ضرورت ہے۔ تاریخی استشہاد بھی اسی موقف کو تقویت دیتا ہے لیکن برسر اقتدار گروہ نتائجیت کے

بجائے ''موضوعی نتائجیت'' کو اپنائے ہوئے ہے جس سے اصلاحات کی شخصی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ جناب صدر کا یہ جملہ کہ ''میں، میں ہوں'' اس کا زندہ ثبوت ہے۔ ماہرین نفسیات اس ''میں'' کو نرگسیت کے زمرے میں شمار کرتے ہیں اور ان کے مطابق اس کا کوئی علاج نہیں۔

ریفرنڈم میں لوگوں کو ہاں یا نہیں کا آپشن بھی دیا گیا ہے اور عوام کی جہالت کا تدارک سبز اور سفید رنگ کے خانوں سے کیا گیا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ عوام کی اکثریت کلر بلائنڈ ہے۔ انہیں مختلف رنگوں میں فرق نظر نہیں آتا۔ اس طرح دو خانوں کے درمیان کھینچی گئی لائن بے معنی ہو جاتی ہے حالانکہ حکومتی دعووں کے مطابق یہ لائن ہی ریفرنڈم کی بنیاد اور جواز ہے۔ بہتر ہوتا اگر ہاں اور نہیں کے لیے تصویروں سے مدد لی جاتی مثلاً ''ہاں'' والے خانے میں گدھ کی اور ''نہیں'' والے خانے میں فاختہ کی تصویر شائع کی جاتی بلکہ زیادہ بہتر یہ تھا کہ ''ہاں'' والے خانے میں بوٹوں کی اور ''نہیں'' والے خانے میں کتاب کی تصویر شائع کی جاتی۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ کتاب پر ''دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان'' بھی لکھا جاتا۔

صدر محترم! ریفرنڈم پر میرا اور میرے ''ہم خیالوں'' کا جواب حاضر خدمت ہے جو ہاں میں ہے۔ ہاں! پاکستان کو آئیڈیل ازم کی ضرورت ہے۔ ہاں جی ہاں، پاکستان کو آئیڈیل ازم کی ضرورت ہے۔

(پروفیسر میاں انعام الرحمٰن)

پاکستان شریعت کونسل کی مرکزی مجلس مشاورت کا اجلاس

۹ رمئی ۲۰۰۲ء بروز جمعرات چار بجے دن جامع مسجد سلمان فارسیؓ آئی ٹن ٹو اسلام آباد میں مرکزی امیر حضرت مولانا فداء الرحمٰن درخواستی کی زیر صدارت منعقد ہو رہا ہے جس میں موجودہ ملکی صورت حالات کی روشنی میں دینی جدوجہد کے تقاضوں کا جائزہ لیا جائے گا اور دینی جماعتوں کے ساتھ رابطہ و مشاورت کا پروگرام طے کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ